جناب مولانا سمیع الحق، مدیر الحق۔

مناسک حج، ادب واحترام اور عظمت اسلام کے مظاہر ہیں

احترام مشائخ، اساتذہ کی محبت، علمی و دینی اور روحانی ترقی کی ضمانت

آج سے کوئی آٹھ دس سال قبل استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے خطبۂ جمعہ کی محفوظ کیسٹ مل گئی جس پر سن تو درج نہیں البتہ ذی الحجہ اور دارالعلوم کے تعلیمی سال کے آغاز۔ اور سامعین علماء اور طلبۂ دین کی مناسبت سے تقریر جو مناسک حج، شعائر اسلام کی عظمت و احترام، مشائخ و اساتذہ کی اطاعت و محبت اور اپنے اکابر اور دین اسلام سے نسبت کی اہمیت، عملی زندگی میں ان عظیم نسبتوں کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنے کے برکات و ثمرات اور کئی ایک ذیلی نافع عنوانات اور افادات پر مشتمل ہے اس کی نافعیت کے پیش نظر ٹیپ ریکارڈر سے من و عن نقل کر کے بغرض افادۂ عام نذر قارئین ہے

(عبدالقیوم حقانی)

خطبۂ مسنونہ کے بعد، قال اللہ تبارک و تعالیٰ

اِنَّ الصَّفَا وَالمَروَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہ ۔

علم اور عمل کا مدار ادب و احترام پر ہے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایک ضروری عبادت کی ہدایت فرماتے ہیں۔ جو علم اور عمل بلکہ عبادت کا دارومدار ہے۔ اور اس کی تعبیر لفظ ادب سے کی جاتی ہے۔ گویا ادب اور تأدب کا دین کے ساتھ ایک بنیادی اور وضعی تعلق ہے۔ جس شخص میں جتنا ہی ادب اور احترام ہوگا وہ دین کے قریب ہے اور جو کوئی جتنا ہی بے ادب ہو اور اس میں گستاخی، بے جا جسارت، بے احترامی ہے۔ وہ اتنا ہی دین سے دور ہے۔ تو اگر علم حاصل ہوتا ہے اس کے لیے بھی ادب ضروری ہے اور اگر عمل حاصل ہوتا ہے تو اس کی مقبولیت کا دارومدار ادب پر ہے۔ ادب کا معنی کسی کی تعظیم کرنا، احترام کرنا، کسی کی بزرگی ماننا اور اس کی قدر کرنا ہے۔ کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے جو خوبی رکھی ہے

خواہ وہ تکوینی خوبی ہے یا تشریعی خوبی ہے۔ لیکن جس کسی میں اللہ تعالیٰ کی رکھی ہوئی خوبیاں ہیں تم اس کا احترام کرو گے۔ عزت کرو گے، قدر کرو گے اسی کو ادب کہتے ہیں۔

احترام اور ادب میں ترتیب و درجات

سب سے بڑھ کر اور پہلے ادب، احترام اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام عظمتوں، تمام عزتوں، تمام کمالات، تمام خوبیوں اور تمام محاسن کا سرچشمہ ہیں۔ تو سب سے بڑھ کر عظمت، ادب اللہ کا کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس دنیا اور ما فیہا میں تواضع اور عاجزی اور عبودیت انسان بالخصوص مسلمان پر اصلاً اللہ تعالیٰ کے حضور لازمی ہے۔ دنیا میں دیگر اشیاء کا احترام بھی اللہ کی عظمت کی وجہ سے ہے تو آدمی اگر اللہ تعالیٰ کو رب العلمین مانتا ہے۔ اس کو ذو الجلال والاکرام بھی کہتا ہے، خالق اور مالک بھی کہتا ہے۔ لیکن اللہ کی عظمت نہیں کرتا۔ اور اس کے دل میں اللہ کی تعظیم نہیں۔ تو اس کا بالکل یہ تصور بھی غلط ہے کہ میں مسلمان ہوں

شعائر اللہ، عظمت و احترام

اب اللہ کے بعد جن اشیاء کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے خواہ وہ نسبت بعید ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا بھی ادب اور احترام کیا جائے گا۔ جو اشیاء اللہ تعالیٰ کو منسوب ہیں اور اس کی معرفت کا نشان بن گئے ہوں ان کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ شعائر شعور سے ہے۔ شعور معرفت اور علامۃ کو کہتے ہیں تو گویا دنیا میں بہت سے اشیاء ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کی نشانی بنایا ہے ان کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء شعائر اللہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو پیغمبروں کے ذریعے پہنچانتے ہیں پیغمبر اللہ کی معرفت کی نشانی ہیں۔ بیت اللہ اور مساجد شعائر اللہ ہیں۔ قرآن، سنت اور اسلامی علوم اللہ کی معرفت کے ذرائع ہیں۔ ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔

صفا اور مروہ ایک عظیم تاریخی یادگار ہیں

قرآن مجید میں آیت کریمہ ہے:۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ حجاج کرام جب حج ادا کرتے ہیں تو صفا اور مروہ دو بے جان خشک پہاڑ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ یہ میری معرفت کے ذرائع ہیں۔ میرے بندے ان پہاڑوں پر اپنی قربانی و عبودیت کا بے مثال مظاہرہ کر چکے ہیں۔ مروہ پر حضرت ابراہیمؑ نے قربانی پیش کی تھی۔ اور صفا و مروہ کے درمیان اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری پاک دامن اللہ کی نیک بندی بی بی ہاجرہ جس کو اپنے معصوم بچے کے ساتھ جب اس کے باپ نے چھوڑ دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے ایک بیت تعمیر کرانے کے لئے بے آب و گیاہ، خشک اور غیر آباد جنگل میں ان کو اللہ کے حکم سے چھوڑا تھا۔ تو بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ اور حضرت ہاجرہ صفا و مروہ کے درمیان بھاگ دوڑ کر رہی تھی۔ کبھی صفا پر چڑھتی ہے کبھی مروہ پر چڑھتی ہے تاکہ کوئی نظر آئے تو وہ اس کو آواز دے اور کہیں سے پانی کی تلاش میں یہ تگ و دو، یہ بھاگ دوڑ، اللہ کی بندگی اور رضا مندی کے لئے ہے۔ یہ سب قربانی اور سعی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تھی۔ اور خداوند قدوس کے گھر کی آبادی کے لئے تھا۔ خدا نے اس بھاگ دوڑ کو، اس سعی و محنت کو قیامت تک محفوظ رکھا۔ دنیا میں تو اور بھی کئی پہاڑیاں اور کئی چوٹیاں ہیں۔ کوہ ہمالیہ اور کے ٹو (K-2) کی چوٹیاں بھی ہیں۔ لیکن کوئی

بتا بھی نہیں کرتا اور نہ ان کا ذکر کرتا ہے اور نہ کوئی ان کو اہمیت دیتا ہے۔ لیکن وہ صفا و مروہ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے شعائر اور اپنی معرفت کی نشانی قرار دی ہیں۔ اب ان کا ادب و احترام کریں گے ان کی عظمت کو ملحوظ رکھیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو شعائر اللہ سے موسوم کیا۔ اور حاجیوں کو کہا کہ قیامت تک جب آپ فریضہ حج ادا کرو گے

محبوب سے منسوب اشیاء بھی محبوب ہوتی ہیں تو صفا و مروہ کے مابین اللہ کی نیک بندی بی بی ہاجرہ کی نقل کرو گے اور بھاگ دوڑ کرو گے سعی کرو گے۔ اس لئے سات مرتبہ حاجی صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک چکر لگاتا ہے اور سعی کرتا ہے۔ اب یہ نقل و حرکت یہ سعی دین کے شعائر سے ہے نہ تو انسان ہے نہ کتاب ہے لیکن ہم پر اس کا ادب لازمی ہوگیا۔ کیونکہ اس کی نسبت اللہ کے دین سے ہوگئی۔

حجر اسود جو ایک بے جان پتھر ہے لیکن اس کی نسبت اللہ کے دین سے ہے تو اس کا احترام لازمی ہے ادب لازمی ہے۔ جب تیرا اللہ کے ساتھ تعلق ہے اور تو اللہ کی بندگی کا دعوے دار بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس سے منسوب اشیاء کی قدر کرو گے۔ دنیا میں بھی آپ عاشقوں کا حال دیکھتے ہیں کہ ان کے کیسے کیسے واقعات پیش آتے ہیں۔

لیلیٰ کی گلی کا کتا ہے تو مجنوں اس کو گود میں بٹھاتا ہے اور اس کے ساتھ باتیں کرتا ہے اس کو چومتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں ارے مجنوں یہ تو کتا ہے۔ مجنوں کہتا ہے یہ لیلیٰ کی گلی کا کتا ہے۔ تو گویا اس کی نسبت محبوب سے ہوئی۔

نبیؐ کی عظمت، محبت اور اطاعت اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سب سے بڑھ کر اللہ کی عظمت کی نشانی اور شعائر اللہ سے ہیں۔ اب ایک ایک قدم پر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور احترام کرو گے تو کامیاب ہو گے۔

معاشرتی آداب حکم ہوتا ہے کہ ان کو اس طرح آوازیں نہ دینا اور اس طرح نہ بلانا جس طرح کہ ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ "ارے فلاں"، گلی میں ان کو تنگ نہیں کرو گے۔ اونچی آواز سے نہیں بولو گے۔ اور نہ اس کا بے وقت دروازہ کھٹکھٹانا اس کا یہ آرام کا وقت ہوگا۔ عبادت کا وقت ہوگا۔ یا اور کچھ مشاغل ہوں گے مگر تم نے ہر حال میں ان کا لحاظ کرنا ہوگا پس تمہیں دروازے میں بیٹھنا ہوگا۔ جب آپ باہر تشریف لے آئیں تمہیں تب ان سے بات عرض کرنی ہوگی۔ بے وجہ اور بغیر ضرورت حضور پاکؐ کے اوقات میں خلل نہ ڈالنا۔ ہاں جب وہاں تم حاضری دو اور بات پوری ہو جائے تب واپس اپنے گھر لوٹ جانے کے لئے اٹھیں۔ اور اگر پیغمبر نے آپ کو دعوت دی تو جب تم دعوت یعنی کھانا کھائیں۔ تو حضور پاکؐ آپ لوگوں کی طرح فارغ نہیں کہ آپ کے ساتھ وقت گذاریں۔ ہاں تمہارا دل ضرور چاہے گا کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ غرض یہ کہ اللہ نے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں قرآن میں ذکر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیغمبر کی عظمت کا اور احترام کا اتنا زیادہ حکم فرمایا ہے۔ کہ تم ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی پیغمبر کا لحاظ کرو گے۔ حتیٰ کہ پیغمبر کی مجلس میں اپنی آواز بھی اونچی نہیں کرو گے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ اے مومنو! تم پیغمبر کی مجلس میں نبی کریمؐ کی

پر اپنی آواز اونچی نہ کرنا۔ اپنی آواز ان کی آواز سے پست رکھنا۔ اور عام لوگوں کی طرح نعرے ان کی مجلس میں نہ لگانا۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے کجھر بعضکم علی بعض اور پھر فرماتا ہے ولا تجھروا له بالقول ۔ جیسا کہ آپس میں یا دوست اور رشتہ دار بے تکلف نعرے لگا کر یا اونچی آواز سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ اس طرح باتیں پیغمبر کے ساتھ نہ کرنا۔

بے ادبی حبط اعمال کا ذریعہ ہے | اور اگر کسی نے پیغمبر ؐ کے سامنے زور سے باتیں کیں اور آداب کو ملحوظ نہ رکھا تو فرماتا ہے ان تحبط اعمالکم تو شاید آپ کے تمام اعمال حبط اور ضائع ہو جائیں۔

خاصیتِ اعمال | وانتم لا تشعرون اور تم جانتے بھی نہ ہو گے کہ ہم نے کوئی گناہ بھی کیا ہے کہ نہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کی خاصیت ضرور بالضرور ظاہر ہوتی ہے۔ تم یہ کہو گے کہ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور اس حالت میں "تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ آپ حضرات دن رات قرآن و سنت پڑھتے ہیں اور اس کو سیکھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جہاد کرتے ہیں اور بڑے بڑے نیک اعمال کرتے ہیں لیکن غفلت سے کچھ بے ادبی ہو گئی گستاخی ہو گئی، بے ادبی سے وہ سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ پیغمبر ؐ سے معمولی سی آواز اونچا کرنے کی خاصیت بیان فرماتے ہے۔ ارشاد فرمایا ان تحبط اعمالکم یہ خدا تعالیٰ کا ایک قانون ہے آدمی بہت بڑے بڑے اعمال کرتے ہیں لیکن اس سے ایک ایسا عمل ہو جاتا ہے جس کی خاصیت یہ ہوتی ہے۔ جس سے تمام اعمال بے قدر ہو جاتے ہیں بے وزن ہو جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزناً اور بعض نیکیاں ایسی قوی ہوتی ہیں کہ انسان کو ان کا علم بھی نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ نیکیاں کفارہ سیئات بن جاتی ہیں۔ خواہ وہ گناہ ہزارہا کیوں نہ ہوں۔ یہ بھی اللہ کا ایک قانون ہے اور دوسرا قانون حبط اعمال یعنی تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ تو بے ادبی کا عمل ایسا عمل ہے کہ آپ کی تمام قربانیوں پہ پانی پھیر دے گی۔ غرض یہ کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے ساتھ زور سے باتیں کرنا ایسی بے ادبی ہے جس سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضؓ کو اندیشہ حبط عمل | اب جب حضرت عمر رضؓ جیسے صحابہ کرام نے یہ آیت سنی تو سخت پریشان ہوئے حضرت عمر رضؓ کی آواز طبعاً قدرے اونچی تھی۔ آپ جہوری الصوت تھے۔ پست آواز سے بات نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اس آیت کے نزول کے بعد وہ ہر بات سخت کوشش کے بعد اتنی پست آواز سے کرتے تھے کہ لوگ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس کرتے خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں ان کی آواز بہت زیادہ پست ہو جایا کرتی تھی۔ اور اس سے سخت زحمت بھی پیش آتی تھی۔ حضرت عمر رضؓ کو دوران گفتگو اندیشہ ہوتا کہ کہیں حبط عمل کا ذریعہ نہ ہو جائے۔ یہ ہمارے عظیم پیغمبر کے عظیم مقام کی وجہ سے اس کے آداب کا اجمالی تذکرہ ہے۔

کلام الٰہی کی عظمت و احترام اور آداب | اللہ کا کلام آپ کے سامنے ہے کلام اللہ بعینہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو نہیں لیکن جب

اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس کو کلام اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے تو اس کی نسبت کی وجہ سے ہم پر اس کا احترام اور ادب لازمی ہوا۔ موجودہ قرآن جو کاغذوں پہ لکھا ہوا ہے۔ یہ کاغذ اور گتے اور چیز ہیں۔ یہ کلام اللہ نہیں اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ کلام اللہ نہیں بلکہ وہ نقوش ہیں۔ یہ نقوش اس کلام پر دلالت کرتے ہیں۔ جو رب ذوالجلال کی طرف سے بذریعہ وحی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ تو کاغذ، گتے اور نقوش تو کلام اللہ نہیں۔ لیکن چونکہ ان کاغذات اور نقوش کی کلام اللہ سے نسبت ہے۔ اس طرح جلد اور کاغذ کا بھی اسی طرح احترام کیا جائے گا اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا یمسہ الا المطھرون یعنی اس کا ادب یہ ہے کہ بے وضو شخص اس کو نہیں چھو سکے گا۔ تو ادب کا یہ تقاضا ہوا کہ بلا وضو اس کے کاغذ اور اس کے غلاف کو جو ان کاغذوں کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اور اس کے نقش کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ جلد، کاغذ اور نقش کو بلا وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ لیکن جب جنابت لاحق ہو تو الحمد للہ رب العلمین زبانی بھی نہیں پڑھ سکتے۔ تو بے ادبی جائز نہیں۔ اور اگر بے ادبی کی اور یہ کہا کہ یہ تو خود اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ تو اس کے ساتھ اعمال حبط ہو گئے۔ ایمان اور دین بھی ضائع ہوا۔

بیت اللہ کی عظمت اور ادب و احترام

دنیا میں بہت سارے کمرے ہیں، گھر ہیں۔ لیکن ان کا احترام کسی پر کبھی لازمی نہیں۔ وہاں پیشاب کی ممانعت نہیں۔ تھوکنے کی ممانعت نہیں۔ جوتیوں کے ساتھ پھرنے کی ممانعت نہیں۔ لیکن ایک کمرہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا بیت قرار دیا ہے۔ جو کہ بیت اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کمرے میں رہائش پذیر نہیں۔ کیونکہ یہ کمرہ تو پتھر، ریت، مٹی اور سیمنٹ سے بنا ہے۔ ایک جگہ ہے لیکن اللہ نے اسے بیت اللہ کہا اور اپنی طرف منسوب کیا۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ اسی خانہ کعبہ کی عظمت و احترام تمام انسانوں پر لازمی ہے اب اس کا قدر کرو گے۔ طواف کرو گے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے تجلیات کا مرکز بن گیا۔ اور جب خدا تعالیٰ نے کہا کہ یہ میرا گھر ہے بس اتنا کافی ہے تو اللہ کی طرح اس گھر کی عظمت اور احترام بھی کیا جائے گا۔ عام مساجد میں یہ بیت نہیں۔ حرم بیت ہے اس لئے اس کی حیثیت بدل گئی اور اس مسجد کو مسجد حرام کہا گیا۔ اب یہ مسجد بھی عظمت اور احترام کی مسجد ہے۔ کیونکہ اس کو بیت اللہ کہا گیا ہے۔ اب جس مسجد میں ہم بیٹھے ہیں اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنے سے صرف اسی نماز کا ایک ثواب پہنچتا ہے اور جس مسجد میں بیت اللہ ہے اگر اس میں ایک فرض نماز ادا کی گئی تو اس کے بدلے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ تو یہ مسجد کی عظمت کی وجہ سے ہے۔ اور مسجد کی عظمت بیت اللہ کی وجہ سے ہے۔ اب اگر یہ مسجد حرام اور بیت اللہ اگر کسی دوسرے شہر میں ہوتا تو اسی شہر کا احترام کیا جاتا۔ لیکن وہ مسجد اور بیت مکہ مکرمہ میں ہے۔ اب مکہ معظمہ کی تمام حیثیت تبدیل ہو گئی۔ شان بدل گئی۔ کئی نسبتوں اور وسائط سے یہ شہر اللہ کو منسوب ہوا۔

اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ببکۃ مبارکا کہ یہ برکتوں والا شہر ہے۔ دیگر شہروں کے جائز بھی وہاں ناجائز ہوتے ہیں وہاں پہ گھاس کاٹنا بھی ممنوع۔ مچھر، چیونٹی کا قتل کرنا بھی ممنوع۔ شکار کھیلنا ممنوع۔ دشمن پہ ہاتھ اٹھانا بھی ممنوع ہے

اگر کوئی آپ کا قاتل ہے۔ اس کو بھی وہاں پر قتل نہ کرو گے۔ وہاں کا سارا علاقہ حرم ہوا۔ حرم کے معنی عظمت والا اور حرمت والا کے ہوتے ہیں۔

حجاز مکرم عظمت واحترام چونکہ مکہ مکرمہ حجاز میں ہے تو تمام حجاز اور عرب کی حیثیت تبدیل اور ذی شان ہوگئی۔ روسی، امریکی، چینی، یورپی، ہندوستانی اور پاکستانی کا وہ ادب آپ پر لازمی نہیں۔ جو آپ پر اہل حجاز کا ادب لازم ہے

جزیرۃ العرب کا مقام واحترام عرب کی حیثیت اسی نسبت کی وجہ سے جداگانہ ہوگئی۔ حب العرب من الایمان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عربوں کی حرمت وعظمت بھی ایمان سے ہے کہ جس کو عربوں سے محبت نہیں اس کا ایمان کمزور ہے۔ پھر فرمایا احب العرب بثلاث۔ حضورؐ نے فرمایا تین وجوہات سے عربوں سے محبت رکھو۔ میں عربی ہوں لانی عربیؐ۔ میری آپ لوگوں کے ساتھ قوی نسبت ہے اور پھر میری نسبت اللہ سے ہے تو جب میں عربی ہوں تو میرے سارے عرب سے محبت کرو گے والقرآن عربیؐ آپ کے اللہ کا کلام قرآن مجید بھی عربی ہے۔ اس وجہ سے آپ عربی سے محبت رکھیں۔ ولسان اهل الجنۃ عربی اور جنت میں اہل الجنۃ کی زبان عربی ہوگی۔ اب سارا جزیرۃ العرب محترم ہوا۔ ہم ان میں ہر قسم کی خرابیاں دیکھیں گے۔ ہزار ہا نقائص دیکھیں گے۔ ہم اس میں بھی مخالفت کریں گے۔ کہ یہ کام ٹھیک نہیں جو وہ کرتے ہیں لیکن جس کسی سے اس کی بے حرمتی۔ استہزاء، بے ادبی تحقیر ہوئی تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے ایمان میں کمزوری ہے۔

احترام اکابر یہ نسبتوں ہی کی وجہ سے بڑے زمانے کے لوگوں کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے اب بے ادبی کا زمانہ آیا ہے پرانے زمانے میں بزرگوں اور مشائخ کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا۔ کہ یہ فلاں کی اولاد سے ہے۔ فلاں خاندان کا ہے فلاں قبیلہ کا ہے اور کہا جاتا تھا کہ یہ صاحب زادہ ہے یہ مخدوم زادہ ہے۔

مولانا قاسم نانوتوی اور سادات کا احترام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حجۃ الاسلام بانی دیوبند کے پاس اگر چرسی، بھنگی بھی آتا، یا چھوٹا معصوم لڑکا بھی آتا لیکن جب وہ سید ہوتا تو حضرت نانوتویؒ فوراً چارپائی سے اٹھ کھڑے ہوتے اور اس کو سرہانے بٹھلاتے اور فرمایا کرتے کہ لوگ تو چند آدمیوں کے مخدوم زادہ ہوتے ہیں اور یہ سید تو تمام عالم کے مخدوم زادہ ہیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاطمۃ بضعۃ منیؐ حضرت فاطمہ میرا ٹکڑا ہے فمن اذاها فقد اذانی جس کسی نے حضرت فاطمہ کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اب مطلب یہ ہے کہ یہ اس لئے کہ وہ ایک صحابیہ ہیں۔ ہاں صحابیہ کی شرافت بھی اسی کو حاصل ہے۔ صحابیت میں تو سب اس کے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ اب مجھے منسوب ہے۔ یہ میری اولاد ہے۔ اب جس نے اسے تکلیف پہنچائی۔ اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ آپ لوگوں کے سامنے ہمارے اکابرین علماء دیوبند کے عجیب عجیب واقعات ذکر ہوتے رہتے ہیں۔ ہم میں تو خدمت و طاعت

کے جذبات مفقود ہونے جا رہے ہیں۔ ان حضرات پر عجیب کمالات، فیوضات، برکات، اور رحمتیں برستی تھیں۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے پاس ادب تھا اور انہوں نے ادب کا لحاظ رکھا تھا۔

قاسم نانوتوی رح اور شیخ زادہ کا احترام

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سفر پر جا رہے تھے راستہ میں مراد آباد آیا۔ وہاں آپ نے کچھ لمحے گذارے۔ پروگرام یہ تھا کہ آج واپس جاؤں گا۔ آگے سفر طویل تھا وہاں کے تمام علماء کا یہ شوق تھا کہ مولانا آئے ہوئے ہیں بہتر ہوگا کہ کچھ زیادہ عرصہ یہاں گذاریں۔ تمام علماء کرام جمع ہوئے اور ان کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ ٹھہر جائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں قطعاً نہیں ٹھہر سکتا۔ مجھے آگے سفر درپیش ہے پھر انہوں نے بہت بڑے بڑے خان، ملک، سیٹھ اور نواب جمع کیے۔ انہوں نے بہت منت سماجت کی۔ مگر حضرت نانوتوی نے فرمایا۔ مجھے آگے ضرور چلنا ہے۔ میں نے بڑے بڑے علماء کے مجمع کا نہ مانا تو میں خان۔ نواب اور ملک وغیرہ کی کیسے مان لوں۔ اس پر نہ راضی ہوتے اور فرمایا کہ شام کے وقت چلوں گا۔ وہ لوگ بہت ہوشیار تھے کہنے لگے کہ اس کا دوسرا کوئی حل نہیں۔ فلاں دفتر میں ایک ملازم ہے اگرچہ اس کی داڑھی نہیں۔ ایک ان پڑھ اُمّی اور جاہل ہے۔ فلاں دفتر میں ملازمت کرتا ہے ان کو بلانا چاہیے۔

وہی لڑکا آیا۔ مولانا موصوف بڑے احترام سے کھڑے ہوگئے۔ اور اپنی مسند پر ان کو بٹھایا اور پاؤں کی طرف آپ آرام سے بیٹھ گئے۔ فرمانے لگے آپ کیسے تشریف لائے۔ لڑکے نے جواب دیا میں اس واسطے آیا ہوں کہ آپ چلیں نہیں یہاں ٹھہر جائیں۔ فرمانے لگے۔ حضور جب حکم ہے تو میں ٹھہر جاؤں گا۔

اب مولانا ٹھہر گئے اور جب تک اس لڑکے نے یہ نہ کہا کہ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں حضرت نانوتوی نے جانے کا نام نہ لیا۔ لوگ پریشان ہیں کہ ہفتہ گذر گیا۔ مولانا سخت مجبور ہیں۔ اب وہ کچھ نہیں کہتا۔ لڑکے کو اب پھر لے آئیں گے کہ مولانا کو تکلیف بھی ہے۔ ہم نے مولانا کے سارے پروگراموں کو خراب کیا۔ ہاں وہاں کے لوگوں نے مزے کئے۔ جلسے کئے، فیوضات، برکات حاصل کیں۔

لڑکا آیا گیا۔ بولا۔ جی حضور! اب آپ جا سکتے ہیں۔

قاسم نانوتوی نے فرمایا، اچھا حضور! اور پھر اپنا زاد راہ لے کر روانہ ہوئے۔

اب وہ لڑکا کون ہے؟ وہ ہمارے پیر، سب کے مرشد۔ سارے سلسلہ کا شیخ۔ تصوّف اور مشائخ دیوبند کے سیّد الطائفہ یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیر و مرشد شیخ نور محمد جھنجانوی کے نواسے تھے۔ ہاں جب پتہ چلا کہ یہ لڑکا اس کے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیر شیخ نور محمد جھنجانوی کے نواسے ہیں، اس کے حضور میں حضرت نانوتوی چون و چرا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسے اپنے پیر کے واسطے سے اس نسبت کی قدر کرنی ہے۔ یہ ہمارے جید عالم اور امام الکبیر کا حال ہے۔ ان کے متعلق عجیب عجیب واقعات ہیں۔ ہاں یہ مقامات ان نسبتوں سے حاصل ہوتے ہیں۔

ایک بھنگن کا قول شاہ ابوسعید کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا!

اس کے علاوہ اس سے پہلے ہمارے ایک بہت بڑے عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی گذرے ہیں۔ گنگوہ شریف میں ہمارے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے سارے خاندان کے بڑے معزز اور گنگوہ شریف سب سے پہلے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی وجہ سے مشہور ہوئے ہیں۔ اور اس شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے نواسا شاہ ابوسعید ہیں۔ ہمارے سلسلہ چشتیہ میں ان کا ذکر آتا ہے۔ اب شیخ عبدالقدوس کے یہ نواسے ابتدا میں بالکل سبق نہیں پڑھتے تھے۔ کیونکہ اوائل میں یہ آزاد تھے۔ نماز روزہ کچھ بھی نہ تھا۔ ایک آزاد منش انسان تھے۔ نوجوانی میں داڑھی کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتے تھے۔ ہر وقت اچھے اچھے کپڑے پہنتے تھے۔ گھڑ سواری کرتے تھے۔ اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ شاہ ابوسعید شیخ عبدالقدوس کے نواسے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے مرید ہیں۔ شیخ کی وجہ سے ان کا بہت اکرام اور قدر کرتے تھے۔ بہرحال وہ ایک مرتبہ گنگوہ گئے۔ راستہ میں جا رہے تھے کہ ایک بھنگن عورت کے سر پر گندگی سے بھری ہوئی ٹوکری تھی اور اس نے ٹوکری کو دور سے گندگی کے ڈھیر پر پھینکا۔ اور اس کی گرد و غبار اڑ کر شاہ ابوسعید پر جا لگی۔ شاہ ابوسعید بہت نازنین تھے۔ شہزادوں کی طرح مزاج تھا۔ گرد و غبار لگنے سے انہوں نے بھنگن بڑھی کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور کہا۔

ارے بوڑھی! تونے خیال تک نہ کیا۔ میرے سارے کپڑے گندے کر دیئے کچھ طریقہ سے گندگی پھینکتی۔

بوڑھی عورت جو کہ شیخ عبدالقدوس کے زمانے کی عورت تھی نے جواب دیا اور کہا۔

اے فلاں! کس چیز کی وجہ سے تم غرور، نشہ میں ہو اور اتنا غصہ کس وجہ سے کر رہے ہو تیرے پاس نواسے دادا کی میراث بھی نہیں ہے۔ پہلے اپنے آپ میں اپنے دادا کے اوصاف اور میراث کی صلاحیت پیدا کرو۔ پھر غصہ کرنا چاہئے

بس اس بات کے سننے سے شاہ ابوسعید کے دل پر انقلابی اثر ہوا۔ اور سیدھے واپس گھر لوٹے۔ اور اپنی والدہ سے عرض کیا۔ میری تو اب آنکھ کھلی ہے پہلے تو میں ویسا ہی دھوکہ اور نشہ میں تھا۔ میں اب اللہ کا دین سیکھنے کے لئے گھر چھوڑ کر جاتا ہوں۔ جب تک اپنے دادا کی میراث حاصل نہ کر لوں واپس نہ لوٹوں گا۔

یہ طلبہ کے لئے عبرت اور نصیحت کا عجیب واقعہ ہے۔ کہ علم ان اشیاء سے حاصل ہوتا ہے۔ کہ اکابرین کے ساتھ تعلق پیدا ہو۔ پھر یہ تحقیق شروع کی کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا اس وقت سب سے مقرب خلیفہ کون ہے اور کہاں ہے۔ والدہ نے کہا کہ آپ کے دادا کا سب سے بڑا خلیفہ بلخ میں ہے۔ وہاں شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو بہت بڑے عالم تھے۔ اب وہ ہندوستان سے بلخ روانہ ہوئے۔ اس وقت موٹریں۔ ریل گاڑیاں وغیرہ نہیں تھیں۔ کبھی پیادہ، کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر بالآخر بلخ پہنچے۔ وہاں شیخ نظام الدین بلخی کو پتہ چلا کہ میرے شیخ کے نواسہ تشریف لا رہے ہیں۔ اور اس کو یہ خوب پتہ ہے کہ وہ جاہل ہے ان پڑھ ہے۔ کوئی عمل، کمال اس کے پاس نہیں ہے جس طرح نواب زادے اور پیر زادے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن شیخ نظام الدین کا بھی تمام افغانستان میں چرچا تھا۔ لاکھوں مرید تھے۔ دنیا کے بادشاہ

ان کے پیروں کو بوسہ دینا فخر سمجھتے تھے۔

شیخ نظام الدین نے اپنے شیخ کے نواسے کا شاندار استقبال کیا

اس طرح ہرات، ابلخ تک ان کا فیض عام تھا۔ شیخ نظام الدین کو پتہ چلا کہ میرے پیر کا نواسہ آرہا ہے۔ وہ کئی دنوں تک اس کے استقبال کے لئے نکلتے رہے کہ کب پہنچیں گے جب پتہ چلا کہ شاہ ابوسعید پہنچنے والے ہیں تو تمام علماء، بزرگان دین اور مریدوں کے ساتھ شیخ نظام الدین بلخ سے باہر نکلے۔ بادشاہ وقت جو شیخ نظام الدین کا بڑا معتقد تھا، کو پتہ چلا تو وہ بھی استقبال کے لئے آنکلا۔ پولیس اور فوج سب استقبال کے لئے باہر نکلے۔ کیونکہ پیر صاحب کا نواسہ آنے والا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بڑا بزرگ ہوگا۔ بڑا عالم ہوگا۔ اتنے میں شاہ ابوسعید کی سواری ظاہر ہوئی۔ نوجوان کی شکل و صورت بھی علماء اور مشائخ کی نہ تھی۔ مگر دیکھا گیا کہ شیخ نظام الدین اس کے پیروں کو بوسہ دے رہے ہیں۔ شاہ ابوسعید نے گھوڑے سے اترنا چاہا مگر شیخ کہنے لگے، نہیں گھوڑے سے ہرگز نہ اترنا۔ ایسے ہی گھوڑے پہ سوار ہو کر چلو گے۔ تم تو میرے استاد اور پیر کے نواسے اور اولاد ہو۔ تجھے میرے پیر اور میرے شیخ سے نسبت اور تعلق ہے۔

شاہ ابوسعید گھوڑے پہ سوار ہے اور افغانستان کا سب سے بڑا بزرگ شیخ نظام الدین اس کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہا ہے۔ بادشاہ وقت نے دیکھا کہ میرے پیر نے اس کے قدموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ تو دوسری طرف سے شاہ بلخ آیا۔ اور اس نے بھی شاہ ابوسعید کا وہی اکرام کیا۔ تو بادشاہ اور شیخ نظام آرہے ہیں۔ فوج بھی ساتھ ہے۔ اس طرح شاہ ابوسعید کو عظمت اور شان و شوکت کے ساتھ لے آیا گیا اور اپنی جگہ پہ اتارا۔ اور شیخ نظام الدین نے اپنی مسند پہ اسے بٹھایا اور شیخ نظام الدین دوزانو ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ تین دن تک متواتر اس کی خدمت کرتے رہے۔ دعوتیں کرتے رہے یہ بات بھی بے ادبی محسوس کرتے تھے کہ پتہ کریں کہ کیسے آئے ہو۔ تین دن گذر گئے۔ پھر کہا مخدوم زادہ! آپ نے اتنی تکلیف اور زحمت کیوں کی۔ اتنے دور سے اتنا لمبا سفر کیا۔ کیا مقصد تھا۔ اتنی بڑی بات ہوتی تو مجھے خبر دے دیتے میں بلخ سے ہندوستان آجاتا۔

جب شاہ ابوسعید نے اپنا مدعا ظاہر کردیا

شاہ ابوسعید نے اس وقت اپنا مدعا ظاہر کیا کہ مجھے اپنے دادا کی میراث نہیں پہنچی۔ میں محروم رہ گیا ہوں۔ اب میں ہندوستان سے اپنے دادا کی میراث حاصل کرنے آیا ہوں اور مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ میراث آپ کے ساتھ ہے۔ آپ سے ہی مجھے وہ میراث حاصل ہوسکتی ہے۔ کہیں آپ سے اللہ کا نام اس کے دین کا کام اور اس کی معرفت کے حصول کی غرض سے طالب بن کر حاصل ہوا ہوں۔

طالب علمی کے تقاضے

شیخ نظام الدین بلخی کو جب یہ حقیقت حال معلوم ہوئی تو فرمایا:

اچھا جب آپ اتنے بڑے کام کرنے کے لئے آئے ہیں تو پہلے آپ کو ایک سال مشقت برداشت کرنا ہوگی۔ بس ایک سال کے لئے آپ کو مسجد کے سامنے لوگوں کے لئے پیشاب کے ڈھیلے جمع کرنے ہوں گے۔ آپ کی ڈیوٹی یہی ہے

حضرت بلخی نے ایک سال کے لئے شاہ ابوسعید کو امتحان میں ڈال دیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ حقیقت میں طالب علم ہے

طلب صادق ہے۔ کیونکہ طالب علمی تو دشوار کام ہے۔ ہم نے تو طالب علمی کو کھیل بنا لیا ہے۔ طالب علمی نفس کشی چاہتی ہے۔ اب تو زمانے کے لوگ بدل گئے ہیں۔ بہر حال شاہ ابو سعید ایک سال تک لوگوں کے لئے پیشاب کے ڈھیلے اکٹھے کرتے رہے۔ اپنے نفس کو قابو میں رکھا۔ نفس یہ کہاں برداشت کرتا تھا کہ میں مخدوم زادہ ہو کر کسی غریب آدمی کے لئے پیشاب کے ڈھیلے جمع کرتا رہوں۔ مگر طالب علم تھا۔ ایک مقصد اپنے ساتھ لایا تھا۔ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سب کچھ برداشت کرتا۔ سال گذرنے کے بعد حضرت بلخی نے شاہ ابو سعید کے نفس کا امتحان لینا چاہا۔ ایک بھنگن عورت کو کہا کہ جاؤ ابو سعید کے نزدیک کوڑا کرکٹ کا ٹوکرا پھینک دو۔ چنانچہ بھنگن عورت نے کوڑا کرکٹ کا ٹوکرا لے کر ابو سعید کے نزدیک سے گذری اور ان کے قریب پھینک دیا۔ ابو سعید نے کہا افسوس اگر یہ گنگوہ ہوتا تو میں تیرے ساتھ دیکھتا۔ مگر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں مسافر ہوں۔ عورت نے واپس آ کر حضرت بلخی کو ماجرا سنایا کہ یوں کہا۔ حضرت بلخی نے ابو سعید کو بلایا اور کہا کہ ایک سال کے لئے ڈھیلے اور بھی جمع کرتے رہو گے اور نمازیوں کے جوتے بھی سیدھے کرنے ہوں گے۔ چنانچہ ایک سال مزید یہ خدمت کرتے رہے۔ اب قدرے نفس کشی ہوئی تھی۔ سال گذرنے کے بعد پھر اسی عورت کو فرمایا کہ جاؤ اس مرتبہ کوڑا کرکٹ کا ٹوکرا ابو سعید کے سر پر انڈیل دو۔ پھر دیکھو کیا کہتا ہے

بھنگن عورت نے ٹوکرا اس کے سر پہ ڈالا۔ ابو سعید نے کہا۔ ارے یہ تم نے کیا کیا۔ یہ کوڑا کرکٹ اور فضلہ جات تو ویسے خود بھی گند تھا لیکن تم نے تو میرے اوپر پھینک دی۔ اور میں تو ویسے بھی گندہ تھا۔ تو نے مجھے اور بھی گندہ کر دیا۔ کیونکہ میں تو گناہوں کی وجہ سے اس نجاست سے بھی گندہ ہوں۔

بھنگن نے خاموشی سے واپس آ کر سارا واقعہ حضرت کو سنایا۔ اب حضرت بلخی نے جانا کہ ابو سعید کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اس میں طالب علمی کا اخلاص پیدا ہو گیا ہے۔ ابو سعید کو بلایا اور کہا۔ ابو سعید آئیے، شکار کھیلنے جنگل جانا ہے۔ ابو سعید نے کہا۔ جی حضرت بخوشی منظور ہے۔ میں ہر وقت تیار ہوں۔ حضرت بلخی خود گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابو سعید کو کہا میرے ساتھ ساتھ پیدل چلنا۔ گھوڑا تیز رفتار تھا۔ جنگل کا سفر دراز تھا۔ جھاڑیاں اور کانٹے راستے میں بچھے پڑے تھے۔ لیکن حضرت بلخی جہاں جاتے۔ ابو سعید بھی ساتھ پیدل دوڑتا۔ تھک گیا اور جڑی بوٹیوں پر دوڑنے سے زخم لگنے سے چور چور ہو گیا۔ مگر ہمت نہ ہاری۔ پیر کا کہنا مانتا رہا اور تکلیفیں برداشت کیں۔ آخر حضرت بلخی نے جانا کہ ابو سعید میں استقلال و استقامت پیدا ہو گئی ہے۔ تب واپس اپنے مکان آیا۔ اور خدام کو حکم دیا کہ نئے اور اچھے کپڑوں کا جوڑا لے آؤ۔ ابو سعید کو نہلایا دھلایا۔ کپڑے تبدیل کرائے۔ خوشبو لگا کر تیار کرایا۔ لوگ ان کو دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ یہ ایک بڑا عالم اور بزرگ ہے۔ حضرت بلخی گئے اور ان کے سامنے گھٹنوں بیٹھ گئے۔ اور ایک جوتی منگوائی۔ جوتی ابو سعید کے ہاتھوں میں دی اور کہا اب تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے آزمائش میں نہیں ڈالا کہ تم پر ظلم کروں، ستم کروں۔ تم ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے میں چاہتا تھا کہ تم کو علم معرفت اور ادبیات میں کمال حاصل ہو

لیکن اس سے پہلے آپ کو آزمایا، امتحان لیا ابتلا میں ڈالا۔ یہ میں نے آپ پر ظلم نہیں کیا ستم نہیں کیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ میں نے آپ پر احسان کیا۔ ہاں اگر آپ کہتے ہیں کہ میں نے تجھ پر ظلم کیا تو یہ جوتی میرے منہ پر دے مارو۔ اس کے بعد حضرت نظام الدین بلخی نے شاہ ابوسعید کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور اپنے خلفا میں ان کو ایک ممتاز مقام پر فائز کیا۔

یہ ہے اپنے اساتذہ، پیر کی اطاعت اور حکم ماننا۔ آج کل شاہ ابوسعید کا نام جب لیا جاتا ہے قوالی کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ کہا جاتا ہے اور سلسلہ چشتیہ میں بھی ان کا نام نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی علماء اور اکابر کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔

قاسم نانوتویؒ کی خدمت شیخ حضرت قاسم نانوتوی کو اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ایک کتاب دی تاکہ اس کی کتابت کردیں۔ دورانِ کتابت ایک لفظ مہاجر مکی نے ہمزہ کے ساتھ لکھا تھا۔ اور دراصل عین کے ساتھ لکھنا چاہیے تھا۔ اب قاسم نانوتوی نے باقی کتاب لکھ دی۔ اور اس لفظ کے لئے خالی جگہ چھوڑ دی۔ جب مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاں آئے اور فرمانے لگے۔ حضور! اس لفظ میں مجھے اشتباہ ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کونسا لفظ ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے اس لفظ کو دیکھ کر تصحیح فرما دی۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ لیکن قاسم نانوتوی نے اس کے دل کو ٹھیس نہ پہنچائی اور اپنے آپ کو ملامت کیا کہ میں اس لفظ کو نہیں سمجھا۔ اگرچہ فی الحقیقت استاد سے سہواً غلط لفظ لکھا گیا تھا۔ تو اصل چیز ادب میں اولاً اللہ تعالیٰ کا ادب کرنا ہے جس چیز کا تعلق اللہ سے ہو اس کا ادب کرنا بھی لازمی ہے۔ بیت اللہ خانہ کعبہ کا نام ہے۔ بیت فی نفسہ معزز نہیں لیکن جب منسوب الی المعزز ہوا اب یہ بھی معزز ہوا۔

احترام کعبہ کی انتہا یہی وجہ تھی کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے آخری عمر تک کالے رنگ کے جوتے نہیں پہنے۔ کیونکہ بیت اللہ کا غلاف کالے رنگ کا ہے تاکہ بیت اللہ کے غلاف کا رنگ پاؤں تلے نہ آنے پائے۔ کالے رنگ کی پگڑی (عمامہ) سر پر اکثر باندھتے۔ بیت اللہ کے غلاف کا رنگ سر کے اوپر برکت کا باعث ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کالے جوتے پہنے جائیں۔ مگر احتیاط کی وجہ سے اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے کالے جوتوں کو ترک کیا گیا۔

بے ادبی کی مضرتیں محترم دوستو! یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الدین کلہم ادب۔ اصل چیز ادب ہے۔ بے ادب خیر کثیر سے محروم ہوتا ہے یہ عام مشاہدہ ہوتا ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ چھوٹے چھوٹے آداب و مستحبات کا چھوڑنا موجب ترک واجبات و فرائض ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے ایک حدیث شریف اپنی کتاب فتح العزیز میں نقل کی ہے:۔

من تہاون من الادب حرم من السنۃ ومن تہاون بالسنۃ حرم من الواجبات ومن تہاون بالواجبات حرم من الفرائض ومن تہاون بالفرائض حرم من الایمان۔

تجربت کا مقام ہے کہ ایک چھوٹا مستحب اور ادب کا کام چھوٹنے سے سلسلہ ایمان سے محرومی تک جا پہنچتا ہے۔ آج

اپنے اندر دیکھ لیں۔ کتنے آداب و سنن چھوڑتے ہیں۔ خدا کے ادب کا لحاظ نہیں۔ رسول ﷺ کے ادب کا لحاظ نہیں۔ استاد مربی کے ادب کا لحاظ نہیں۔ اسلاف کے واقعات سے بھی دل نرم نہیں ہوتا۔ دیکھو ہم ہمیشہ کے لئے علماء دیوبند پر فخر کرتے ہیں۔ اکابر علماء دیوبند گنگوہ گاؤں کی طرف لیٹ کر پاؤں نہیں پھیلاتے اس وجہ سے کہ اس گاؤں میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ تھے۔ اکابر دیوبند کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ ہمارا مرشد استاد اور پیر ایک گاؤں میں ہو اور ہم اس گاؤں کی طرف پاؤں پھیلائیں۔

کتاب کا ادب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ذات گرامی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انہوں نے تمام زندگی لیٹ کر مطالعہ نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ اپنے آپ کے لئے کتاب کو تابع کرنا ہے۔ حالاں کہ خود کو کتاب کا تابع ہونا چاہئے۔ اسلاف کی سیرت و تاریخ۔ افعال و اقوال ہمیں یہ سبق سکھاتے ہیں کہ انسانی زندگی کی بنیادی کڑی ادب ہے۔ پھر طالب علم کی حیثیت سے تو اپنے استاد کا لحاظ لازم اور واجب ہے جس طالب علم کے ساتھ استاد، مسجد، کتاب کا پاس نہ ہو تو اس کے علم میں برکت کہاں سے آئے گی۔ علامہ سرخسیؒ ایک بڑے فقیہہ، مجتہد اور عالم دین گذرے ہیں۔ دین اسلام کی خاص خدمت کی ہے۔ ایک دفعہ ایک گاؤں میں اپنے علاقہ سے آئے۔ وہاں پر اس کے تمام تلامذہ اور مرید جمع تھے مگر اس کا ایک شاگرد موجود نہ تھا۔ حالاں کہ اس شاگرد کا علامہ سرخسی سے خاص تعلق تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان کی والدہ صاحبہ ضعیف العمری کی وجہ سے بیمار پڑی ہے اس وجہ سے آپ کے حضور میں پیش نہ ہوا۔ علامہ سرخسی نے فرمایا، بہت اچھا! ماں باپ کی خدمت کرنے سے اس کی عمر دراز ہوگی عمر میں برکت ہوگی۔ دنیا میں عمر طویل پائے گا۔ مگر علم دین کی برکتیں حاصل نہ ہوں گی۔ کیونکہ استاد کی عزت ایک شاگرد کو اس مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے دین اسلام کی اور علم کی خدمت لیتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر دراز کی۔ مگر ساری زندگی میں اسلام کی اور اپنے استاد کے میراث کی نمایاں خدمت نہ کر سکے۔ جب کہ اساتذہ کی خدمت سے علم میں برکت آتی ہے۔

میں اپنے عزیز طلباء کرام سے کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور علم میں برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اساتذہ کی غلامی اختیار کرو۔ ان کا ادب کرو۔ ان کا لحاظ کرو۔ مذکورہ واقعات اور اقوال سے سبق سیکھو۔ حضرت علیؓ کا قول مشہور ہے آپ بھی سنتے ہوں گے۔ فرماتے ہیں جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا اسے میرے بیچ دینے کا اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق دے۔ +

مضمون نگار حضرات سے التماس ہے کہ تمام مضامین کاغذ کے ایک طرف صاف اور خوشخط روشنائی سے تحریر فرمائیں۔ شکریہ